نا معلوم افراد کے فائرنگ سے شہید ہونے والے شخص کے غسل کا حکم

از: مولانا منظور احمد مرکزی جامع مسجد اسلام آباد

وہ شخص جسے دہشت گردوں نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا ہو اس کے غسل کے وجوب یا عدم وجوب کا فیصلہ کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کی شرائط مختصراً ذکر کر دی جائیں، چنانچہ فقہاء نے شہادت کے درج ذیل شرائط ذکر فرمائے ہیں،

(۱) مسلمان ہونا۔ (۲) مکلف یعنی عاقل و بالغ ہونا۔ (۳) حدث اکبر سے پاک ہونا۔ (۴) ارتثاث یعنی زخمی ہونے کے بعد کوئی امر وراحت وتمتع زندگی حاصل نہ کرنا۔ (۵) ظلماً قتل ہونا۔ (۶) اگر کسی مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے مارا گیا ہے یا ایسے آلے سے قتل ہو جس سے مارنا قتل عمد میں داخل ہو۔ (۷) قتل کی سزا میں نفس قتل کی وجہ سے شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض مقرر نہ ہوا ہو بلکہ قصاص واجب ہوتا ہو۔ اگر کسی مسلمان عاقل، بالغ، طاہر اور بے گناہ شخص پر دھشت گردوں نے فائرنگ کی جس کے نتیجہ میں وہ جگہ پر ہی دم توڑ گیا کسی امر تمتع زندگی کے حاصل کرنے کی نوبت نہیں آئی مثلاً علاج وغیرہ تو پہلی پانچ شرطیں تو اس کے حق میں متحقق ہیں، چھٹی شرط بھی متحقق ہے یا نہیں کلاشنکوف، پستول وغیرہ جدید اسلحہ سے قتل کرنا قتل عمد ہے کہ نہیں؟ اس سے پہلے قتل عمد کی تعریف کو سمجھنا ضروری ہے.

قتل عمد کی تعریف میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کے لئے ضروری ہے کہ ایسے آلے سے قتل کیا جائے جو محدد یعنی دھاری دار ہو جیسے تلوار، خنجر، نیزہ وغیرہ، صاحبین اور جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی بھی ایسے آلے سے قتل کرنا قتل عمد ہے جس کے استعمال سے جان نکل جانے کا غالب گمان ہو خواہ وہ آلہ دھاری دار نہ ہو مثلاً کسی بڑے پتھر سے مارنا یا لاٹھی سے مارنا اور کلاشنکوف وغیرہ سے قتل کرنا امام صاحب کے نزدیک بھی قتل عمد میں داخل ہے ایک تو اس وجہ سے کہ امام صاحب کے نزدیک جو محدد ہونا شرط ہے (الخ) یہ اس وقت ہے جب کہ غیر دھاری دار آلے کے ذریعے جان سے مارنا مقصود نہ ہو اگر غیر محدد سے جان سے مارنا مقصود ہو تو وہ بھی عمد میں ہی داخل ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے تصریح فرماتے ہیں **وفی المعراج عن المجتبیٰ یشترط عند ابی حنیفةؒ ای فی شبه العمد ان یقصد التادیب دون الاتلاف** (ج ۲ صفحہ ۵۳۰) سید علامہ رافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں **(قوله فی شبه العمد أی یقصد التأدیب الخ) ویوافقه ما قاله الزیلعی وانما سمی هذا النوع شبه عمد لأن فیه قصد الفعل لا القتل فکان عمداً باعتبار نفس الفعل وخطأ باعتبار القتل ویوافقه ما ذکره أیضاً فی الاستدلال لمذهب ابی حنیفةؒ وعلیٰ هذا اذا اقر بقصد قتله بما ذکر تقتص منه عنده** (ج ۲ صفحہ ۳۲۲) اور کلاشنکوف وغیرہ سے عام طور پر قتل ہی مقصود ہوتا ہے کیونکہ وضع ہی قتل کے لئے کی گئی ہے، اور اس سے وہی کام لیا جاتا ہے جو ماضی میں تلوار وغیرہ سے لیا جاتا تھا لہذا اس کا قتل، قتل عمد ہی ہوگا۔

اور دوسرے اس وجہ سے کہ فقہاء نے بندقۃ الرصاص کو آلہ جارحہ میں شمار کر کے اس کے قتل کو بھی قتل عمد میں ہی داخل کیا ہے چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں **قلت وعلیٰ کل فالقتل بالبندقۃ الرصاص عمدلأ نها من جنس الحديد و تجرح فيقتص به،لكن اذا لم يجرح لم يقتص به علىٰ رواية الطحاوی.**(ج ٦ صفحہ ٥٢٨) اور بنادق جدیدہ مثلاً کلاشنکوف، جی تھری، تھری نٹ تھری وغیرہ تو تفریق اجزاء جنس حدید اور جارحہ ہونے میں بندقۃ الرصاص سے کہیں بڑھ کر ہیں، کیونکہ بندقۃ الرصاص کی گولی سیسہ کی اور گول ہوتی ہے جب کہ بنادق جدیدہ میں سے اکثر بنادق خصوصاً کلاشنکوف کی گولی تانبے ولوہے کی ہوتی ہے اور ایسی نوکدار ہوتی ہے کہ اس میں بذات خود بھی جرح کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ اسے بارود کی مدد سے چلایا جائے لہذا اس سے قتل کے عمد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر بفرض محال یہ امام صاحب کے نزدیک قتل عمد نہ بھی بنے تو بھی زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس میں لاقانونیت انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ قتل وغارت گری کا دور دورہ ہے کسی کی جان، مال وعزت محفوظ نہیں رہی فتویٰ صاحبین اور جمہور کے قول پر ہی ہوگا۔ کیونکہ ان آلات کے استعمال سے جان نکلنے کا غالب گمان ہوتا ہے لہذا ان کا قتل، قتل عمد میں شامل ہوگا جب کہ کسی کو زہر ملا کر قتل کر دینے کو قتل عمد شمار کیا گیا ہے اور اس کی وجہ فساد زمان بیان کی گئی ہے چنانچہ علامہ رافعی فرماتے ہیں

(قوله وذكر السائحانى عن شيخه)قال السندى، فى أخر السرقة نقلاً عن الحموى من سقى رجلاً،سما فمات قال فى جنايات البدائع يجب القصاص،لأنه يعمل عمل النارو السكين :قال السمر قندى،فى شرحه :والعمل علىٰ هذه الرواية فى زما ننا،لأ نه شاع الفساد فى الارض فيقتل دفعاً لشره.(ج ٢ /صفحہ ٣٢٣)

جب ان کے زمانے میں فساد کی وجہ سے ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ دیا جاسکتا ہے جو یقیناً اس زمانے سے کہیں بہتر ہوگا بلکہ دونوں زمانوں کے فساد میں کوئی نسبت بھی نہیں ہوگی۔ تو اس زمانہ میں صاحبین اور جمہور کے قول پر فتویٰ کیوں نہیں دیا جاسکتا لہذا یہ ثابت ہوگیا کہ جدید اسلحہ سے قتل، قتل عمد میں داخل ہے۔ ساتویں شرط کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو شہر یا شہر سے باہر کسی ایسی جگہ قتل کیا گیا ہے جس کے اتنے قریب کوئی بستی ہو کہ اگر وہاں سے پکار کر آواز دی جائے تو بستی تک آسانی سے پہنچ سکے تو اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ قاتلوں کا متعین طور پر علم ہے کہ فلاں فلاں شخص نے اسے قتل کیا ہے یا متعین طور پر پتہ نہیں لیکن فی الجملہ پتہ ہے یعنی اتنا پتہ ہے کہ فلاں گروہ مثلاً چوروں یا دہشت گردوں نے اسے قتل کیا ہے لیکن ان کے بھاگ جانے کی وجہ سے ان کو پکڑا نہیں جاسکا اور آئندہ کسی طریقہ سے انہیں گرفتار کیا جاسکتا ہے اور ولی مقتول نے جائے وقوع کے قریب رہنے والوں پر قتل کا دعویٰ بھی نہیں کیا تو ایسی صورت میں مقتول شخص شہید حقیقی ہے اسے غسل دینا واجب نہیں کیونکہ اس صورت میں قصاص واجب ہے دیت نہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ قاتلوں کا نہ تو متعین طور پر علم ہے اور نہ ہی فی الجملہ پتہ ہے مگر ولی نے اہل محلہ پر یا قریب رہنے والوں پر دعویٰ کر دیا تو اس صورت میں قریب رہنے والوں پر قسامت اور دیت واجب ہوگی اور مقتول شہید حقیقی شمار نہیں ہوگا اسے غسل دینا واجب

ہوگا چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ومن وجد قتیلا فی المصر غسل لأن الواجب فیه القسامة والدية فخف اثر الظلم الا اذا علم انه قتل بحديدة ظلماً لأن الواجب فيه القصاص وهو عقوبة والقاتل لايتخلص عنها ظاهرا اما في الدنيا واما في العقبىٰ(ص ١٦٦ ج ١ مطبوعة قندهار)

درمختار میں ہے،و يغسل من وجد قتيلا في مصر او قرية فيما اى ،في موضع يجب فيه الدية ولو في بيت المال كالمقتول،في جامع او شارع لم يعلم قاتله او علم ولم يجب،القصاص فان وجب كان شهيد اكمن قتله اللصوص،ليلاً في المصر فانه لا قسامة ولادية فيه للعلم بأن قاتله اللصوص غاية الامرأن عينه لم تعلم ج اص ۲۵۲

قال العلامة الشاميؒ (قوله فليحفظ) اصل ذالک لصاحب البحرحيث قال بعد ما مر عن البدائع وبهذا يعلم ان من قتله اللصوص في بيته ولم يعلم له قاتل معين منهم لعدم وجود هم فانه لا قسامة ولادية علىٰ احدٍ لانهما لايجبان الا اذالم يعلم القاتل وهنا قد علم أن قاتله اللصوص وان لم يثبت عليهم لفرارهم (ج۲ص۲۵۰) وقال في باب القسامة بعد نقل العبارة المذكورة اقول ويشتمل ايضاً من قتله اللصوص في غيربيته (ج۶ص۶۳۸)

قال العلامة الرافعي رحمه الله قوله وبهذا يعلم ان من قتله اللصوص في بيته هذااذا ادعى انهم قاتلوه او بعضهم والاوجبت القسامة علىٰ اهل المحلة والدية على عواقلهم كما لو اجتمعوا باالسيوف و تفرقواعن قتيل فان القسامة،لا تسقط عن اهل المحلة ما لم يد ع الولي القتل،علىٰ المتفر قين او علىٰ بعضهم فان ادعى كانت كمسئلة اللصوص وكان القتيل شهيداً رحمتي و سندي .(ج ا صفحه ۱۲۴)

و في الدر المختار:

و في مسجد محلة و شارعها الخالص باهله علىٰ اهلها وسوق مملوک علىٰ الملاک و في غيره اى غير المملوک والشارع الاعظم هوا النافذ والسجن والجامع وكل مكان يكون التصرف فيه لعامة المسلمين لالواحدمنهم ولالجماعة يحصون لاقسامة ولا دية علىٰ احد و انما الدية على بيت المال و انما تجب الدية علىٰ بيت المال لان الغرم بالغنم ثم انما تجب الديةفيما ذكر علىٰ بيت المال ان كان اى بعيداً عن المحلات وا ن لم يكن نائيا بل قريبا منها فعلىٰ أقرب المحلات اليه في الشامية (قوله بل قريبا منها) الظاهرانه المعتبر في سماع الصوت(ج ۶ صفحه ۶۳۴) اوراگر شہر سے باہر کسی ایسی جگہ قتل کیا گیا ہے جس کے اتنے قریب کوئی آبادی نہیں جہاں تک اس جگہ سے پکار کر آواز دینے سے آواز سنی جا سکے اور قاتل کا متعین طور پر یا فی الجملہ علم ہے تو اس صورت میں بھی قصاص واجب ہوگا،اور

مقتول کو غسل دینا واجب نہ ہوگا اور اگر قاتل کا متعین طور پر علم ہے نہ فی الجملہ تو اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ جس جگہ اسے قتل کیا گیا ہے وہ کسی کی مملوک ہے یا عامۃ المسلمین کی منتفع جگہ ہے اس صورت میں دیت مالک پر یا بیت المال پر واجب ہوگی۔ وجوب مال کی وجہ سے مقتول کا غسل ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ غسل دینا واجب ہوگا۔ اور دوسری صورت یہ ہے وہ جگہ نہ کسی شخص کی مملوک ہے اور نہ ہی عامۃ المسلمین کی وجہ منتفع ہے تو اس صورت میں نہ قسامت واجب ہوگی اور نہ دیت اور عدم وجوب مال کی وجہ سے مقتول کا وجوب غسل ساقط ہوجائے گا۔ فی الشامیة قوله ای موضع تجب فیه الدیة فالمراد بالمصر والقریةما قرب منها وخرج مالووجد فی مفازة لیس بقربها عمران فانه لا تجب قسامة ولا دیة فلا یغسل لو وجد به اثر القتل کما فی البحر عن المعراج (ج ۲ صفحه ۲۵۰)

وقال فی الدر المختار فی بحث القسامة: ویهدر لو وجد فی بریة ولو کانت البریةمملوکة او وقفا لاحد کما مرو سیجیئ او کانت قریبة من القریة اوالا خبیة اوا لقسطاط بحیث یسمع منه الصوت تجب علی المالک او ذی الید او علیٰ اهل القریة اوأ قرب الاخبیة.

وقال الشامی رحمه الله تعالیٰ قوله فی بریة: ای غیر مملوکة ولا قریبة من قریة او نحوه کما یعلم مما بعد و غیر منتفع بها لعامة المسلمین والا فعلیٰ بیت المال لما مر .(ج ٦ صفحه ٦٣٥)

واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں اگر کسی شخص کو ظلماً قتل کر دیا گیا ہو تو اس کے عدم وجوب غسل کے لئے صاحب فتح القدیر صاحب کفایہ وعنایہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا قاتل معین طور پر معلوم ہو ورنہ اس کا وجوب غسل ساقط نہ ہوگا، چنانچہ علامہ ابن الھمام فرماتے ہیں (قوله الا اذاعلم انه قتل بحدیدة ظلما) ای ویعلم قاتله عینا أما مجرد وجدانه مذبو حالا یمنع غسله وقد یستفاد هذامن قوله لان الواجب فیه القصاص لان وجوبه انما یتحقق علی القاتل المعین.

علامی خوارزمی فرماتے ہیں ای و عرف قاتله عینا اما اذاعلم انه قتل بحدیدة ولکن لم یعلم قاتله یغسل لما أن الواجب هناک الدیة والقسامة علی اهل المحلة. اور علامہ بابرتی نے عنایہ میں اسے قیل کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں وقوله (الااذا علم ا نه قتل بحدید ة ظلماً) ای حینئذٍلا یغسل قیل هذا اذا علم قاتله عینا الخ (فتح القدیر ج اص ۱۰۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاتل متعین طور پر معلوم ہے تو غسل واجب نہ ہوگا جب کہ دیگر حضرات نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ خواہ قاتل متعین طور پر معلوم ہو یا فی الجملہ معلوم ہو غسل واجب نہ رہے گا چنانچہ طحطاویؒ فرماتے ہیں (قوله فان وجب کان وقع بمحدد و علم القاتل ولوفی الجملة (ج اصفحہ ۳۸٦) علامہ حصکفیؒ نے اسے اس شخص سے تشبیہ دی ہے جس کو

چوروں نے قتل کر دیا ہو اور ان میں سے کوئی قاتل متعین طور پر معلوم نہ ہو تو چونکہ اس کا قاتل فی الجملہ من حیث الجملہ معلوم ہے گو فرار ہونے کی وجہ سے پکڑا نہیں جا سکا لہذا اسے غسل نہیں دیا جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں **فان وجب کان شهیدا کمن قتله اللصوص لیلا فی المصر فانه لاقسامة و لا دیة فیه للعلم بان قاتله اللصوص غایة الامر ان عینه لم تعلم فلیحفظ فان الناس عنه غافلون** (ج ۲ صفحه ۲۳۸)

اور تقریباً اسی سے ملتی جلتی عبارت علامہ ابن نجیمؒ نے بھی ذکر فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کا فی الجملہ معلوم ہونا بھی وجوب غسل کے اسقاط کے لئے کافی ہے اور بظاہر یہی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔ ایک تو لصوص کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے دوسرے اس وجہ سے کہ عام طور پر کتب میں اس کے متعلق عبارت یوں آئی ہے **(و من وجد قتیلا فی المصر)** اور وجد سے مراد وہی شخص ہوتا ہے جسے کسی نے مار کر کہیں ڈال دیا ہو اور بعد میں وہ مرا ہوا ملے کسی کو اس کے قاتل کا بالکل علم نہ ہو اگر کسی کو چند لوگوں نے مارا اور کئی لوگوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا اور قاتل بھاگ جانے کی وجہ سے پکڑے نہ گئے تو اس پر وجد کا لفظ نہیں بولا جائے گا۔

تیسرے صاحب ہدایہ کی تعلیل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کا متعین طور پر معلوم ہونا ضروری نہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں **لان الواجب فیه القصاص وهو عقوبة و القاتل لا یتخلص عنها ظاهرا اما فی الدنیا و اما فی العقبیٰ** (ج ۱ ص ۱۶۶)

یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی نے "بنایۃ" میں قاتل کے متعین طور پر معلوم ہونے کی شرط ذکر نہیں فرمائی چنانچہ وہ فرماتے ہیں **الا اذا علم انه قتل بحدیدة ظلماً" هذا الاستثناء من قوله، غسل یعنی لا یغسل القتیل فی المصر اذا علم انه قتل بحدیدة ظلمامظلوما لکن هذا فیمااذا علم قاتله لوجوب القصاص اما اذا لم یعلم قاتله فیغسل و ان قتل بحد یدة لانه لیس فیه معنی شهداء احد لانه اذا لم یعلم قاتله یجب القسامة و الدیة.** (ج ۱ صفحه ۱۱۴۲)

حاصل یہ ہوا کہ عدم وجوب غسل کیلئے اصل عدم وجوب مال ہے اگر مال واجب نہ ہو خواہ قاتل تعین علم کی صورت میں ہو یا فی الجملہ قاتل کے علم کی صورت میں ہو مقتول سے غسل ساقط ہو جائے گا یہ بھی یاد رکھیں کہ جن صورتوں میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مقتول کو غسل نہیں دیا جائے گا اس سے مراد یہ ہے کہ اسے غسل دینا واجب نہیں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے غسل دینا جائز نہیں لہذا جس صورت میں غسل واجب نہیں اگر کوئی شخص اسے آسانی سے غسل دے سکتا ہے تو غسل دے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور کوئی غسل نہ دے تو اس پر تنقید کرنا بھی کسی اعتبار سے درست نہیں چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

و بالجملة فانا لانقول بحرمة غسل الشهداء و انما نفینا وجوبه. (اعلاء السنن ج ۸ صفحه ۳۱۶) اور اگر کسی صورت میں غسل کے وجوب یا عدم وجوب میں شبہ ہو تو اس صورت میں احتیاط اسی صورت میں ہے کہ اسے غسل دیا جائے کیونکہ اصل وجوب غسل ہے سقوط غسل ایک عارض کی وجہ سے ہوتا ہے۔ **(واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم)**